INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 4, ISSUE 3, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

نوازش علی شیدا کی نعت میں تجسیم کا رجحان

خورشید ربانی
پی ایچ ڈی سکالر، قرطبہ یونی ورسٹی، ڈی آئی خان
Khurshidrabbani786@gmail.com

Abstract

This study examines the use of personification (Tajseem) as a rhetorical and aesthetic device in Nawazish Ali Shaida's Naat. Shaida presents various events from the life and biography of the Holy Prophet Muhammad ﷺ not merely as historical narratives but through vivid poetic imagery and literary devices. In particular, he personifies natural phenomena, visible and invisible elements, and abstract concepts by attributing human qualities, actions, emotions, and consciousness to them. The study analyzes the personification of the sky, sun, moon, clouds, wind, mountains, felicity, and guidance, demonstrating how these elements are transformed into lively and expressive poetic figures. It also explores the interaction of personification with other literary devices, including simile, metaphor, allusion, and) حسنِ تعلیل husn-e-ta'leel). The study concludes that personification in naat is not merely an ornamental device but an effective means of expressing the spiritual significance, sublimity, and exalted status of the Holy Prophet .ﷺ Through this technique, Shaida transforms abstract and lifeless elements into dynamic participants in the poetic world, thereby enriching the work with intellectual depth, aesthetic appeal, and emotional intensity.

Keywords: *Naat, Nawazish Ali Shaida, Personification (Tajseem), Seerat-un-Nabi, Urdu Masnavi.*

Corresponding Author: خورشید ربانی(پی ایچ ڈی سکالر، قرطبہ یونی ورسٹی، ڈی آئی خان)

Email: Khurshidrabbani786@gmail.com

تجسیم علمِ بدیع کی ایک صنعت ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ شاعر یا ادیب کسی غیر جاندار، مجرد یا غیر محسوس شے کو جاندار یا جسمانی صفات عطا کر کے اس انداز میں پیش کرے کہ وہ ایک محسوس اور مجسم وجود کا تاثر دینے لگے۔دوسرے لفظوں میں، جب کسی مجرد کیفیت، خیال یا بے جان چیز کو انسانی یا جاندار خصوصیات دے کر بیان کیا جائے تو اسے تجسیم کہتے ہیں۔مثلاً: غم میرے دروازے پر آبیٹھا، میں ''غم'' ایک غیر محسوس کیفیت ہے، لیکن اسے انسان کی طرح بیٹھنے کا عمل دیا گیا ہے،اس لیے یہاں تجسیم کی صنعت پائی جاتی ہے۔

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کا کہنا ہے:

"شعر و ادب میں مجردات یا بے جان اشیا کو ذی شعور انسانوں کی خصوصیات سے متصف کرنا یورپی تنقید میں Personification کہلاتا ہے۔اردو میں اس کا ترجمہ تجسیم کیا گیا ہے"۔1

پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

"غیر مرئی حقائق، جبلات یا عادات،وغیرہ کو حرکی،مادی جسم میں ڈھال کر پیش کرنا تجسیم کاری Personification کہلاتا ہے۔زندگی،موت، نفرت، غصہ،شوق،خوف،خوشی، غم وغیرہ کو جسمانی اور محسوس انسانی افعال و خصوصیات سے متصف کرنا تجسیم کاری ہے مثلاً خوشی بولی،میں کائنات میں تمام انسانوں کا مدعا ہوں۔غم کہنے لگا میرے بغیر خوشی کے کوئی معنی نہیں وغیرہ۔ادبیات عالم کے شعری اور نثری سرمایے میں تجسیم کاری کے شاندار نمونے موجود ہیں۔اردو میں محمد حسین آزاد کی 'نیرنگِ خیال' تجسیم کاری کی شاندار مثال ہے"۔2

تجسیم کاری کی صنعت کا استعمال شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی ہوتا ہے۔اردو افسانے میں یہ صنعت محض واقعات کی ترجمانی تک محدود نہیں رہتی بلکہ اسے علامتی، تخلیقی اور جمالیاتی اظہار کی ایک نئی سطح عطا کرتی ہے۔اس کے ذریعے وقت، شہر، خوف، تنہائی، تاریخ اور تہذیب جیسے مجرد تصورات کو انسانی صفات دے کر ایک جیتی جاگتی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔انتظار حسین کے افسانوں میں شہر اور ماضی اکثر ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے وہ خود بول رہے ہوں، جبکہ قرۃ العین حیدر کی تحریروں میں تاریخ اور تہذیب ایک زندہ اور متحرک وجود کا روپ دھار لیتی ہیں۔جدید اردو افسانے میں بھی تجسیم کاری کے ذریعے انسان کے باطنی کرب، معاشرتی بے حسی اور عصری زندگی کے مسائل کو مؤثر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔یوں تجسیم کاری افسانے کے اظہار کو محض بیانیہ سطح سے بلند کر کے اسے فکری گہرائی، تخلیقی وسعت اور معنوی تہہ داری عطا کرتی ہے۔تجسیم کو بنیادی اقسام میں اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مرئی تجسیم: کسی ایسی شے یا مظہر کو انسانی یا جاندار صفات دینا جو اصل میں بے جان اور غیر جاندار ہو، مگر آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہو۔مثلاً دیواریں مجھے گھور رہی تھیں، میں دیوار ایک مرئی شے ہے جسے انسانی عمل سے متصف کیا گیا ہے۔

غیر مرئی تجسیم: کسی ایسی غیر محسوس یا غیر مرئی کیفیت، قوت یا مظہر کو جاندار یا جسمانی شکل میں پیش کرنا جسے آنکھ سے دیکھا نہیں جاسکتا۔مثلاً ہوا نے میرے کان میں سرگوشی کی، میں ہوا کو انسانی عمل، یعنی سرگوشی کرنے، کی صفت دی گئی ہے۔

مجرد تجسیم: کسی ایسے مجرد خیال، تصور، جذبے یا کیفیت کو جسمانی یا جاندار صورت دینا جس کا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا۔مثلاً محبت میرے دروازے پر دستک دے رہی تھی، میں محبت ایک مجرد جذبہ ہے جسے انسانی عمل، دستک دینا، عطا کیا گیا ہے۔

INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 4, ISSUE 3, 2026 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

اردو نعت کے دورِ دوم کا آغاز عموماً سودا سے منسوب کیا جاتا ہے، تاہم ان سے پہلے ان کے بعض ہم عصر اور بزرگ شعرا بھی نعتیہ شاعری میں نمایاں خدمات انجام دے چکے تھے۔ انہی میں نوازش علی شیدا کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ میری محدود معلومات کے مطابق اردو میں پہلی منظوم سیرت لکھنے کا اعزاز شیدا کو حاصل ہے۔ اگرچہ بعض محققین نے مولوی باقر آگاہ کو اردو کی پہلی منظوم سیرت کا خالق قرار دیا ہے، لیکن دستیاب شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدا کی منظوم سیرت، باقر آگاہ کی تصنیف سے پہلے ہی منظرِ عام پر آچکی تھی۔ اس حقیقت کی طرف محققین کی توجہ کیوں نہیں گئی، اس کی قطعی وجہ بیان کرنا مشکل ہے۔ تاہم یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ شیدا کی منظوم سیرت نہ صرف زمانی اعتبار سے مقدم ہے بلکہ فنی اور فکری اعتبار سے بھی قابلِ قدر حیثیت رکھتی ہے۔ نوازش علی شیدا کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ ادبی تذکروں میں صرف اتنا ذکر ملتا ہے کہ وہ آصف جاہ ثانی، نواب نظام علی خان حیدرآباد دکن (۱۷۶۲۔۱۸۰۳) کے دربار سے وابستہ تھے اور انہیں ''خان بہادر'' کا خطاب بھی حاصل تھا۔ شیدا نے متعدد مثنویاں تصنیف کیں، جن میں ''اعجازِ احمدی''، ''روضۃ الاطہار'' اور ''گلشنِ ایمان'' خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں ''اعجازِ احمدی'' سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر لکھی گئی ان کی ایک طویل اور اہم مثنوی ہے۔ شیدا کی زبان سادہ، صاف اور عام فہم ہے، جب کہ ان کا اسلوب رواں اور دل نشیں ہے۔ یہی خصوصیات ان کی منظوم سیرت کو ادبی اور سیرتی دونوں حوالوں سے اہم بناتی ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے بھی ''اعجازِ احمدی'' کے بارے میں اپنے تذکرے میں اس کی ادبی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے:

> "اعجاز احمدی کی زبان بہ نسبت روضہ الاطہار کی زبان، زیادہ صاف اور اسلوب میں بھی روانی ہے۔ یہ مثنوی بارہ مجلس پر منقسم ہے۔ اس کی کئی خصوصیات ہیں۔ مثلاً یہ کسی فارسی تخلیق کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ مصنف کی ذاتی اپج ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے صرف تاریخی حالات ہی کو منظوم نہیں کیا ہے بلکہ معجزے اور روایتیں بھی بیان کی ہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ دکنی مثنویوں کی یہ آخری یادگار ہے۔ اس کے بعد کی جو مثنویاں دکن میں لکھی گئیں وہ شمالی ہند کی فصیح اردو میں لکھی گئی ہیں"۔ ۳

اس مثنوی کا سالِ تصنیف و تکمیل، شیدا کے ایک شعر سے ۱۱۸۶ھ بہ مطابق ۱۷۷۰ء برآمد ہوتا ہے:

نبیؐ پاس ہوئی یہ کتاب ہے قبول
تو تاریخ لکھ اس کی فیضِ رسولؐ ۴

''فیضِ رسول'' کے نام سے سنہ ۱۱۸۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ مثنوی چار جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثنوی کا آغاز حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے، جس کے بعد سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف ادوار کو عہد بہ عہد ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ شیدا نے اس مثنوی کی تخلیق کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور دینِ اسلام کی تعلیمات زیادہ تر عربی اور فارسی زبانوں میں موجود ہیں، اس لیے ہندوستان کی عام آبادی ان سے پوری طرح استفادہ کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ ضروری محسوس ہوا کہ سیرتِ رسول ﷺ اور اسلامی تعلیمات کو عوام کی اپنی زبان میں بیان کیا جائے تاکہ وہ ان سے آسانی کے ساتھ واقف اور مستفید ہو سکیں۔ مثنوی کے آغاز میں شیدا نے اسی مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہے عربی ویافارسی میں کلام

سمجھ اس کو سکتے نہیں ہیں عوام

تو ہندی زباں میں لکھے گا اگر

سبھی پڑھ اسے ہوئیں گے بہرہ ور۵

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے، جس میں حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لے کر دینِ اسلام کے آغاز اور اس کے فروغ تک کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ شیدا نے ان واقعات کو محض تاریخی انداز میں بیان نہیں کیا بلکہ مختلف مقامات پر شعری پیکر تراش کر انھیں موئثر اور جاندار بنا دیا ہے۔ ان کے ہاں مجرد تصورات اور غیر محسوس کیفیات کو محسوس اور مجسم صورت میں پیش کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ذیل میں مثنوی ”فیضِ رسول“ سے تجسیم کے حامل چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مرئی تجسیم

کیا دین جب اس کا جگ میں ظہور

اوڑا لات و عزا کے سر سے غرور۶

یہاں لات و عزیٰ کو انسانی صفت غرور عطا کر کے تجسیم کا پیکر تراشا گیا ہے۔ شاعر نے ان بتوں کو ایسے انسانوں کے روپ میں پیش کیا ہے جو اپنی ہستی پر نازاں اور اپنے وجود پر مغرور ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت اور دینِ اسلام کے اعلان کے ساتھ ان کا یہ غرور خاک میں مل جاتا ہے۔ اس طرح شاعر نے دینِ اسلام کے اثر کو محض ایک نظری یا فکری تصور کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے ایسی موئثر اور طاقت ور قوت کے طور پر مجسم کیا ہے جو باطل کے غرور کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ یوں شعر میں تجسیم کے ذریعے دینِ حق کے غلبے، تاثیر اور قوت کو نہایت موئثر اور جاندار انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

چمکنے کو لاگا ہے وہ پاک نور

خجل جس کے تیئں دیکھ ہوتا ہے سور۷

اس شعر میں سورج کو حضور اکرم ﷺ کے نورِ مبارک کے سامنے شرمندہ اور خجل دکھایا گیا ہے۔ شاعر نے سورج کو انسانی صفت شرمندگی عطا کر کے تجسیم کی صنعت پیدا کی ہے۔ گویا سورج ایک انسان کی مانند نورِ محمد ﷺ کے سامنے اپنی روشنی کی بے وقعتی اور کم مائیگی پر نادم و خجل محسوس کر رہا ہے۔ اس تجسیم کے ذریعے شاعر نے حضور اکرم ﷺ کے نور اور عظمت کو نہایت موئثر اور جاندار انداز میں نمایاں کیا ہے۔

بتاشوں سے تاروں کے اخوان بھر

فلک بانٹتا تھا ہر اک گھر بہ گھر۸

اس شعر میں آسمان کو مٹھائی بانٹنے کی انسانی صفت عطا کر کے اسے ایک فیاض اور مہربان وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان، حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں ستاروں کو مٹھائی یا کسی نعمت کی طرح زمین پر تقسیم کر رہا ہو اور ہر سمت خوشی، روشنی اور مسرت بکھیر رہا ہو۔ اس طرح آسمان کو انسانی عمل سے متصف کر کے تجسیم کی صورت پیدا کی گئی ہے۔ دوسری جانب، ستاروں کو بتاشوں سے تشبیہ دے کر شاعر نے منظر کو ایک دل

کش اور خوش گوار حسّی پیکر میں ڈھال دیا ہے۔ بتاشے چونکہ شکل و صورت میں ستاروں سے مشابہت رکھتے ہیں، اس لیے یہ تشبیہ قاری کے ذہن میں ایک واضح بصری منظر پیدا کرتی ہے۔ یوں شعر میں تجسیم کے ساتھ حسّی پیکر سازی کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی ہے، جو ولادتِ رسول ﷺ کی خوشی اور جشن کے ماحول کو مزید مؤثر اور دل نشیں بنا دیتی ہے۔

گگن رقص میں تھا بہ صد افتخار
گلے ڈال کہکشاں کا وہ ہار[9]

اس شعر میں آسمان کو حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں رقصاں دکھایا گیا ہے۔ شاعر نے آسمان کو رقص کرنے کی انسانی صفت عطا کر کے اسے ایک ایسے انسان کے روپ میں پیش کیا ہے جو خوشی سے جھوم رہا ہے اور اس کے گلے میں کہکشاں کا حسین ہار سجا ہوا ہے۔ اس طرح آسمان کی تجسیم نہایت خوب صورت اور دل کش انداز میں سامنے آتی ہے۔ شاعر نے کہکشاں کو ہار سے تشبیہ دے کر اس تصور کو مزید جاذبِ نظر بنا دیا ہے۔ آسمان پر بکھرے ہوئے ستارے ہیرے موتیوں کی مانند محسوس ہوتے ہیں اور پوری کہکشاں ایک حسین ہار کا منظر پیش کرتی ہے۔ یوں تجسیم اور تشبیہ کے امتزاج سے شعر میں ایک روشن، متحرک اور جمالیاتی منظر نامہ تشکیل پاتا ہے، جو حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی اور کائنات کی مسرت کو مؤثر انداز میں نمایاں کرتا ہے۔

لے مہتاب کا ہاتھ میں اپنے دف
بجاتی تھی زہرہ کھڑی اک طرف[10]

اس شعر میں زہرہ کو دف بجاتے ہوئے دکھا کر صنعتِ تجسیم پیدا کی گئی ہے۔ زہرہ ایک بے جان سیارہ ہے، لیکن شاعر نے اسے دف بجانے کی انسانی صلاحیت عطا کر کے ایک جاندار اور متحرک پیکر میں تبدیل کر دیا ہے۔ دوسری طرف چاند کو دف سے تشبیہ دے کر ایک خوب صورت استعاراتی پیکر تراشا گیا ہے۔ دف کی گول ہیئت چونکہ چاند کی شکل سے مشابہت رکھتی ہے، اس لیے یہ تشبیہ شعر کے تصویری حسن کو مزید نمایاں کرتی ہے اور تجسیم کے تاثر کو بھی گہرا بناتی ہے۔ مزید یہ کہ زہرہ کو موسیقی اور فنونِ لطیفہ سے وابستہ تصور کیا جاتا رہا ہے، اس لیے اسے دف بجاتے ہوئے پیش کرنا معنوی مناسبت اور تلازماتی حسن کی عمدہ مثال بھی ہے۔ لفظ زہرہ کا مؤنث استعمال بھی قابلِ توجہ ہے۔ اردو اور فارسی روایت میں زہرہ کو عموماً مؤنث حیثیت حاصل رہی ہے، جبکہ قدیم اساطیری تصورات میں بھی زہرہ کا تعلق ایک دیوی سے قائم کیا جاتا ہے۔ اس طرح شعر میں تجسیم، استعارہ اور تلازماتی مناسبت باہم مل کر ایک دل کش اور موسیقیت سے بھرپور شعری منظر تشکیل دیتے ہیں۔

فلک رنگ کھیلا تھا واں اس نسق
کہ اب تک نشاں اس کا ہے یہ شفق[11]

یہ شعر حضور اکرم ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کے واقعے کے بیان کے ضمن میں کہا گیا ہے۔ شاعر نے اس موقع کی خوشی کو کائناتی سطح پر پیش کرتے ہوئے آسمان کو جشن مناتے اور چراغاں کرتے دکھایا ہے، جس کے نتیجے میں آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے۔ یہاں شفق کی سرخی کا حقیقی سبب بیان کرنے کے بجائے اسے آسمان کے رنگ کھیلنے اور جشن منانے سے منسوب کیا گیا ہے، جو حسنِ تعلیل کی خوب صورت مثال ہے۔ دوسری طرف آسمان کو رنگ کھیلنے جیسے انسانی

عمل سے متصف کر کے اسے ایک جاندار اور متحرک وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے، یوں یہاں صنعتِ تجسیم بھی نمایاں ہوتی ہے۔اس طرح حسنِ تعلیل اور تجسیم کے امتزاج سے شاعر نے شادی کی خوشی کو ایک دل کش اور جمالیاتی منظر میں ڈھال دیا ہے۔

قمر آ کے گھستا تھا پاؤں پہ سر
وہ پھرتا تھا ، کہتے تھے جیدھر تو پھر ۱۲

یہاں چاند جیسے غیر جاندار اور مجرد وجود کو چلنے پھرنے اور سر جھکانے جیسے انسانی اوصاف عطا کر کے صنعتِ تجسیم پیدا کی گئی ہے۔شاعر نے چاند کو ایک ایسے انسانی پیکر کے طور پر پیش کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں سر جھکا رہا ہے اور آپ ﷺ کے اشارے پر اسی سمت چل پڑتا ہے۔اس تصور کے ذریعے شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور کائنات کی آپ ﷺ کے سامنے اطاعت و فرماں برداری کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔اس شعر میں تلمیح کا حسن بھی نمایاں ہے، کیونکہ چاند کے حضور اکرم ﷺ کے اشارے پر چلنے کا تصور سیرت و معجزاتِ نبوی ﷺ سے متعلق روایات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اسی سلسلے میں بحیرہٰ راہب کی حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جو سیرت اور تاریخ کی متعدد کتب میں بیان ہوا ہے۔روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے کم عمری میں اپنے چچا حضرت ابو طالبؓ کے ہمراہ شام کا سفر کیا، جہاں بحیرہٰ راہب سے ملاقات ہوئی۔شیدا نے بھی اس واقعے کو اپنی مثنوی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس روایت کے حوالے سے صاحبِ دلائل النبوۃ لکھتے ہیں:

> "ابو طالب، قریشی شیوخ کے ساتھ شام کو گئے اور نبی ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے۔بحیرا راہب کے پاس پہنچ کر انھوں نے پڑاؤ کیا۔اس سے قبل بھی یہ لوگ یہاں آیا کرتے تھے مگر اس نے پہلے کبھی توجہ نہ دی تھی۔اس مرتبہ ابھی کجاوے اتار رہے تھے کہ وہ اُن کے پاس آیا اور نبی ﷺ کا ہاتھ پکڑ کا بولا۔ھذا رسول رب العالمین ھذ یبعثہ اللہ رحمت للعالمین۔یعنی یہ تمام جہانوں کا سردار ہے۔یہ پروردگار عالم کا رسول ہے۔اسے اللہ تعالیٰ، تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔قریش نے کہا تجھے کیسے معلوم ہوا کہنے لگا جب تم پہاڑی کی اوٹ سے نمودار ہوئے تو میں نے دیکھا کہ کوئی درخت اور پتھر ایسا نہ رہا جو سجدہ ریز نہ ہو گیا ہو اور ایسا سجدہ کسی نبی کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔اور میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان پھسلنے والی ہڈی سے نیچے سیب جیسی مہر نبوت ہے۔پھر اس نے ان لوگوں کے لیے دعوت کا اہتمام کیا۔یہ سب پہنچ گئے اور نبی ﷺ اونٹوں کے پاس رہے۔راہب نے کہا انھیں بھی بلاؤ۔آپ تشریف لائے تو بدلی بدستور سایہ کناں تھی۔کھانے سے واپسی پر راہب ان کے پاس آیا تو یہ اپنے درخت کے پاس پہنچ چکے تھے اور نبی ﷺ درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا"۔۱۳

نوازش علی شیدا نے اس واقعہ کو یوں قلم بند کیا ہے۔

دکھا قافلہ ایک آتا ہے پن
ہے اس کے اوپر ابر سایہ فگن

وہ نزدیک پہنچا ہے جب آن کر
بجیرا نے دیکھا ہے تب کر نظر
جوان ایک بے ریش اور خوبرو
نہ تھا سور میں تاب، ہو روبرو
چتر اس کے سر سایۂ ابر ہے
لطافت ستی چہرہ جوں بدر ہے
پہاڑوں سے جھاڑوں سے ہے یہ ندا
سلام علیک اے رسولِ خدا۱۴

ان اشعار میں شاعر نے قدرتی عناصر کو جاندار اور صاحبِ شعور بنا کر پیش کیا ہے۔ بادل کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے جیسے وہ شعوری طور پر قافلے پر سایہ کیے ہوئے ہو اور اسے بخوبی معلوم ہو کہ کس کے لیے سایہ فراہم کرنا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں اور جھاڑیوں کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ بے جان عناصر کو بولنے، شعور رکھنے اور سلام کرنے کی انسانی صلاحیت عطا کرنا صنعتِ تجسیم کی واضح مثال ہے۔ اس طرزِ اظہار کے ذریعے شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور آپ ﷺ سے کائنات کے محبت و عقیدت کے جذبے کو ایک مؤثر، جاندار اور دل نشیں شعری پیکر میں ڈھال دیا ہے۔

فلک رنگ کھیلا تھا واں اس نسق
کہ اب تک نشاں اس کا ہے یہ شفق۱۵

یہ شعر حضور اکرم ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے شادی کے واقعے کے بیان کے ضمن میں کہا گیا ہے۔ شاعر نے اس مبارک موقع کی خوشی کو کائناتی منظر نامے میں پیش کرتے ہوئے آسمان کو جشن مناتے اور چراغاں کرتے دکھایا ہے، جس کے باعث آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے۔ یہاں شفق کی سرخی کی ایک شعری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آسمان خوشی میں رنگ کھیل رہا ہے اور جشن منا رہا ہے، جو حسنِ تعلیل کی خوب صورت مثال ہے۔ دوسری طرف آسمان کو رنگ کھیلنے جیسے انسانی عمل سے متصف کر کے اسے ایک جاندار اور متحرک وجود کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس لیے یہاں صنعتِ تجسیم بھی نمایاں ہے۔ اس طرح شاعر نے تجسیم اور حسنِ تعلیل کو یکجا کر کے شادی کی خوشی اور اس کی کائناتی معنویت کو نہایت دل کش اور مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔

غیر مرئی تجسیم

چلی اس شتابی سے وہ مادہ خر
پون کو تھا مشکل کرے بھر نظر۱۶

کتبِ سیرت میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے بھی دودھ پلایا اور آپ ﷺ کی رضاعت و پرورش کا یہ مرحلہ عرب معاشرے کے اُس وقت کے معروف رواج کے مطابق تھا۔ اس دور میں مکہ کے معزز خاندان اپنے بچوں کو دیہاتی خواتین کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ نسبتاً صاف

اور صحت مند ماحول میں پرورش پائیں، خالص عربی زبان سے آشنا ہوں اور جسمانی طور پر مضبوط و توانا بنیں۔ اسی روایت کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے بھی حضور اکرم ﷺ کی رضاعت اور ابتدائی پرورش کی ذمہ داری سنبھالی۔ سیرت کی روایات کے مطابق حضور اکرم ﷺ کی آمد سے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں خیر و برکت کے آثار نمایاں ہوئے اور ان کے حالات میں خوش گوار تبدیلی آئی۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں بھی حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے گھر میں حضور اکرم ﷺ کی آمد سے پیدا ہونے والی برکتوں کا تفصیلی ذکر ملتا ہے:

"حلیمہ سعدیہؓ کہتی ہیں کہ میری گدھی بہت کمزور تھی، آتے وقت میری ساتھی عورتیں مجھ پر ہنستی تھیں کہ کیونکہ یہ سب سے پیچھے رہ جاتی تھی لیکن واپسی کے سفر میں وہ اتنی تیز چل رہی تھی کہ سب سے آگے نکل گئی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پرندہ محوِ پرواز ہے"۔ ۱۷

نوازش علی شیدا نے اسی روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہؓ حضور اکرم ﷺ کو گود میں لے کر روانہ ہوئیں تو جس گدھی پر آپؓ سوار تھیں، وہ نہایت لاغر اور کمزور تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ کی برکت سے اس میں غیر معمولی توانائی پیدا ہو گئی۔ وہ اتنی تیز رفتاری سے چلنے لگی کہ دوسری سواریاں اس کے مقابلے میں پیچھے رہ گئیں۔ شیدا نے اس کیفیت کو نہایت خوب صورت شعری پیکر میں پیش کیا ہے کہ گدھی کی رفتار کے سامنے ہوا بھی اسے نظر بھر کر نہ دیکھ سکی۔ یہاں شاعر نے ہوا کو دیکھنے کی انسانی صلاحیت عطا کر کے اس کی تجسیم کی ہے۔ گویا ہوا کو ایک ایسے انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو گدھی کی برق رفتاری کو حیرت سے دیکھنا چاہتی ہے، مگر اس کی تیز رفتاری کے باعث اسے فرصت ہی نہیں ملتی۔ اس تجسیم کے ذریعے شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی آمد سے وابستہ برکت اور سواری کی غیر معمولی تیزی کو نہایت مؤثر اور جاندار انداز میں بیان کیا ہے۔

مجرد تجسیم

سعادت ہے ایک اس کے گھر کا غلام

ہدایت ملازم ہے اس کا مدام ۱۸

اس شعر میں شاعر نے تجسیم کے ذریعے سعادت اور ہدایت جیسے مجرد اور غیر محسوس تصورات کو انسانی صفات اور کردار عطا کیے ہیں۔ سعادت کو ایک ایسے غلام کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کے گھرانے سے وابستہ ہے، جب کہ ہدایت کو ایک مستقل خدمت گار کے روپ میں دکھایا گیا ہے جو ہر وقت سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتی ہے۔ اس طرح شاعر نے محض معنوی اور روحانی تصورات کو جاندار کرداروں میں ڈھال کر ایک مؤثر شعری پیکر تخلیق کیا ہے۔ اس تجسیم کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور آپ ﷺ سے سعادت و ہدایت کی وابستگی کو نہایت بلیغ اور دل نشیں انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر مثنوی "فیضِ رسول" میں نوازش علی شیدا نے سیرتِ نبوی ﷺ کے واقعات کو محض تاریخی اور روایتی انداز میں بیان کرنے کے بجائے مختلف ادبی و بدیعی صنعتوں کے ذریعے ایک جاندار، مؤثر اور جمالیاتی پیکر میں ڈھالا ہے۔ بالخصوص صنعتِ تجسیم کے ذریعے آسمان، سورج، چاند، بادل، ہوا، پہاڑ، سعادت اور ہدایت جیسے مرئی، غیر مرئی اور مجرد عناصر کو انسانی صفات، حرکات اور جذبات عطا کیے گئے ہیں، جس سے وہ شعری متن میں متحرک کردار بن کر سامنے آتے ہیں۔ کہیں آسمان جشن مناتا اور رنگ کھیلتا ہے، کہیں سورج نورِ محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ دکھائی دیتا ہے، کہیں چاند اطاعت گزار انسان کی طرح سر

جھکاتا ہے اور کہیں ہوا دیکھنے کی صلاحیت اختیار کر لیتی ہے۔اس کے ساتھ تشبیہ، استعارہ، تلمیح اور حسنِ تعلیل جیسی صنعتیں بھی تجسیم کے حسن کو مزید گہرا کرتی ہیں۔ یوں شیدا نے کائنات کے مختلف مظاہر کو حضور اکرم ﷺ کی عظمت، ولادت، سیرت اور روحانی مقام سے مربوط کر کے ایک ایسا شعری عالم تخلیق کیا ہے جس میں فطرت بھی عقیدت مند، متحرک اور ہم آہنگ محسوس ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز،کشاف تنقیدی اصطلاحات،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۵،ص ۲۹

۲۔انور جمال،پروفیسر،ادبی اصطلاحات،اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۲،ص ۴۸

۳۔نوازش علی شیدا،اعجاز احمدی،بمبئی: مطبع کریمی ۱۸۹۵ء ص ۸۱۳

۴۔ایضاً،ص ۱۰

۵۔ایضاً،ص ۶

۶۔ایضاً،ص ۱۷

۷۔ایضاً،ص ۲۳

۸۔ایضاً،ص ۲۳

۹۔ایضاً،ص ۲۳

۱۰۔ایضاً،ص ۹۰

۱۱۔ایضاً،ص ۳۵

۱۲۔ابونعیم،دلائل النبوت،مترجم،علامہ قاری محمد طیب نقشبندی،لاہور: ضیاالقرآن پبلی کیشن،۲۰۰۱،ص ۱۵۴،۱۵۳

۱۳۔اعجاز احمدی،ص ۴۷۔۴۸

۱۴۔ایضاً،ص ۹۰

۱۵۔ایضاً،ص ۳۵

۱۶۔ابن اسحاق،سیرت رسول پاکؐ،لاہور: مکتبہ نبویہ،۱۴۲۱ھ،ص ۱۴۳

۱۷۔اعجازی احمدی،ایضاً،ص ۶

۱۸۔ایضاً۔ص ۶